سلسلہ مطبوعات (۲)

قرآنی اصولِ معاشیات



مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

ابتدائیہ

دور حاضر میں دنیا جس معاشی بحران میں مبتلا ہے اس سے کسی باشعور شخص کو انکار نہیں ہو سکتا اگرچہ متمدن اقوام نے اپنی سوچ کی بنیاد پر مختلف معاشی نظام نہ صرف وضع کئے بلکہ ان کو عمل کے میدان میں سے بھی گزارا لیکن ابھی تک ان میں سے کوئی ایسا نظام سامنے نہیں آسکا جسے انسانیت کی مکمل فلاح و بہبود کا ضامن قرار دیا جاسکے سرمایہ داری رو بہ زوال ہے وہ اپنے بنیادی اصولوں میں ترمیم و تنسیخ اور دیگر ذرائع سے اپنے آپ کو بچانے کی آخری جدوجہد میں ہے اسی طرح اشتراکی نظام بھی ہلچل سے دوچار ہے اس کے اساسی نظریات کی عمارتیں زمین بوس ہو رہی ہیں اور ان کی جگہ نئے نظریات کی آبیاری ہو رہی ہے ایسے میں قرآن حکیم جیسی لازوال کتاب شعوری نظروں کی مرکز توجہ ہے کہ جس کے الفاظ تک چودہ صدیوں میں اپنی تابانی اور شوکت نہ کھو سکے تو اس کے معانی و مفاہیم اور مقاصد تو کس قدر اپنے اندر استقلال رکھتے ہوں گے کہ لباس کے مقابلے میں وجود اور جسم کے مقابلے میں روح کی پائیدار حیثیت مسلم ہے اسی کتاب مبین نے دیگر شعبہا ئے حیات کی طرح معاشیات میں لازوال اصول متعین کئے ہیں جن پر حدیث و فقہ کی روشنی میں ایک انقلابی اور عوامی فلاح و بہبود پر مبنی پائیدار نظام قائم کیا جاسکتا ہے ان اصولوں کی انقلابی توضیح و تشریح جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری و خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری و فیض یافتہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے کی ہے شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن "قرآنی اصول معاشیات" کی مستقل اشاعت کی سعادت حاصل کر رہی ہے تاکہ نوجوان نسل نہ صرف دینی شعور سے بہرہ ور ہو بلکہ علماء حق کے گرانقدر انقلابی خیالات سے بھی مستفید ہو

چیئرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

قرآنی اصول معاشیات

بحیثیت

قرآنِ عزیز نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات، معاشرتی معاملات، سیاسیات، اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اساسی اصول اور معجزانہ اختصار کے ساتھ اصول وکلیات کا ہی ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیلات وتشریحات کو ارشادِ نبوی (احادیث) اور ان سے مستنبط احکام (فقہ) کے حوالہ کر دیا ہے۔

معاشیات سے متعلق قرآن عزیز نے جن اساسی اصول کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

حقِ معیشت میں مساوات

۱۔ رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذاتِ الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اگرچہ اس کی مصلحتِ عام اور حکمتِ تام کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوتِ درجات پایا جائے لیکن امارت وغربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے کیونکہ اس نے حقِ معیشت کو سب کے لیے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حقِ مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں فرمایا۔

۲۔ ... عالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پہ چلنے وا... ہر ایک جاندار کی معیشت اس کے ذمہ ہے اس کے لیے حسبِ ذیل نص... قابلِ مطالعہ ہیں:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ   اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی

إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود-١)	ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ میں لی ہے۔
وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذاریات-١)	اور تمہارا رزق اور جس شے کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ آسمان میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں) ہے
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام-١٩)	اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو ہم ہی تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی۔
وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ (نمل-٥)	اور آسمان اور زمین سے تم کو روزی کون پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (الذاریات-٣)	بیشک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے بڑی مضبوط قوت والا ہے۔
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ (الحجر-٢)	اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان بنا دیئے اور ان کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ-٣)	وہ (خدا) وہ ذات پاک ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

ان آیات میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فردِ بشر کو خطاب ہے اور ان کی روح یہ ہے کہ معیشت و اسبابِ معیشت خدائے تعالیٰ کے خزانۂ عامرہ کی ایسی عطا و بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے[1]

---

[1] روح المعانی ج ٢٤، البحر المحیط ج ٧ ص ٤٨٦،

اور ان آیات کی اس روح کی زیادہ وضاحت و صراحت حسب ذیل آیات کرتی ہیں

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ (حم سجدہ - ۲۰)

اور رکھے اس زمین میں بوجھل پہاڑ اس (کی پیٹھ) پر اور برکت رکھی اس کے اندر اور چار دن میں اندازہ سے رکھیں اس میں ان کی خوراکیں جو برابر ہیں (بلحاظ طلب معیشت) سب حاجت مندوں کے لیے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَآدِّي رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ۝ (نحل - ۱۰)

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیردستوں پر لوٹا دیں کہ اس روزی میں وہ سب کے سب برابر ہو جائیں پھر کیا یہ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں

لہ روح المعانی ج ۱۴۔ البحر المحیط جز ۵ سورۃ النحل و تفسیر فتح القدیر ج ۳، اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کیے جاتے ہیں ویجوز ان یکون معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ فضل بعضا علی بعض فی الرزق وان المفضلین لا یردون من رزقھم علی من دونھم شیئا وانما انا رازقھم فالمالک والمملوک فی اصل الرزق سواء وان تفاوتا کما وکیفا۔ واختار فی الکشاف ان المعنی انہ سبحانہ جعلکم متفاوتین فی الرزق فرزقکم افضل مما رزق ممالیککم وھم بشر مثلکم واخوانکم وکان ینبغی ان تردوا فضل ما رزقتموہ علیھم حتی تساووا فی الملبس والمطعم کما یحکی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ الخ (روح المعانی ۱۴) افبنعمۃ اللہ یجحدون ویکون المعنی علی قراءۃ الخطاب ان المالکین لیسوا برادی رزقھم علی ممالیکھم بل انا الذی ارزقھم وایاھم فلا یظنوا انھم یعطونھم شیئا و انما ھو رزقی اجریہ علی ایدیھم وھم جمیعا فی ذلک سواء لا مزیۃ لھم علی ممالیکھم فیکون المعطوف علیہ المقدر ما یناسب ھذا المعنی بقال لا یفھمون ذلک فیجحدون نعمۃ اللہ فتح القدیر للشوکانی ج ۳ ص ۱۷۱ وکذا فی البحر المحیط ج ۵

ان آیات میں حقِ معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اور صریح اعلان ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس کا انکار بداہت و صراحت کا انکار ہے۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

لیکن اب سوال یہ ہے کہ منشاء الٰہی کے اس مقصدِ عظیم کو پورا کون کرے اور اس عالمِ اسباب میں اس کی تکمیل کس کے ذمہ واجب ہے؟ تو اسلام کے نظام کا مکمل نقشہ جن نگاہوں کے سامنے ہے وہ بآسانی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس "عالمِ تشریع" میں یہ فریضہ نائب الٰہی "خلیفہ" پر عائد ہوتا ہے کہ قلمروِ اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو حقِ معیشت سے محروم ہو اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ حقِ معیشت میں دراندازبن سکے اور جو حکومت اس منشاء الٰہی کو پورا نہیں کرتی وہ "فاسد نظام" کی حامل اور نظامِ عادل سے منحرف ہے چنانچہ بقرہ کی اس آیت "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (نور اللہ مرقدہ) ارشاد فرماتے ہیں:-

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان "خلق لکم ما فی الارض جمیعا" تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئے فی حد ذاتہٖ کسی کی مملوک خاص نہیں۔ بلکہ ہر شئے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے ہاں بوجہ رفع نزاع و حصولِ انتفاع قبضہ کو علتِ ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شئے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کرسکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیئے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو

اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاءؑ و صلحاءؒ اس سے بغایت مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا۔ بہرکیف غیر مناسب و خلافِ اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ زائد علی الحاجت سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک "من وجہٍ" اس میں موجود۔ تو گویا شخصِ مذکور من وجہٍ مالِ غیر پر قابض و متصرف ہے اور اس کا حال بعینہٖ مالِ غنیمت کا سا تصور کرنا چاہیئے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ کُل مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت و حصول انتفاعُ بقدر حاجت" ہر کوئی مالِ مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے، ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیئے (یعنی خائن شمار ہوگا)"[1] اور مشہور محدث ابنِ حزم ظاہریؒ نے اس سلسلہ میں مُحلّی میں جو روایات نقل کی ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال" من کان معہ فضل ظھر فلیعد بہ علی من لا ظھر لہ، و من کان لہ فضلُ من زاد فلیعد بہ علی من	حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیئے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان

[1] ایضاح الادلہ ص ۲۶۸۔

لا زاد له قال: فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل" (محلی ج ۶، ص ۱۵۷، ۱۵۸)

خورونوش حاجت سے زاید ہو اس کو چاہیئے کہ فاضل سامان نادار اور حاجت مند کو دے دے ابوسعید خدری رضی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مختلف انواعِ مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔

قال عمر بن الخطاب لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین[1]۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت کو فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔

وصح عن ابی عبیدة بن الجراح وثلث مائة من الصحابة (رضی الله عنهم) ان زادهم فنی فامرهم ابو عبیدة فجمعوا ازوادهم فی مزودین وجعل یقوتهم ایاها علی السواء[2]۔

حضرت ابو عُبیدہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقعہ پر) ان کا سامانِ خورونوش ختم کے قریب آ گیا پس حضرت ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کر دو اور پھر سب کو یکجا جمع کر کے ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کی قوت لایموت کا سامان کر دیا۔

---

[1] ابن حزم اس روایت کی سند پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں" وهذا اسناد فی غایة الصحة و الجلالة اور یہ سند نہایت صحیح اور پُر از جلالت ہے (محلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۸) [2] محلی ج ۶ ص ۱۵۸-

عن محمد بن علی انہ سمع علی بن ابی طالب یقول ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اقواتھم بقدر ما یکفی فقراء ھم فان جاعوا وعروا وجھدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبہم یوم القیٰمۃ ویعذبہم علیہ[1]	حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجۂ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے وہ محض اس لیے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابنِ حزم ظاہری یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں۔

اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فے (بیت المال کی آمدنی) ان غربا کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان اربابِ دولت کو اس کفایت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسم کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔[2]

---

[1] محلی ج ۶ ص ۱۵۸، [2] محلی ج ۶ ص ۱۵۶ مسئلہ ۷۲۵

اور حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا یا ضروریاتِ رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے"[1]

اب ان تمام نصوصِ قرآنی اور ان کی مؤید احادیث و فقہی روایات کو سامنے رکھ کر بہ نظرِ انصاف غور فرمائیے کہ "اسلام کا معاشی نظام" حقِ معیشت کی مساوات کا کس طرح صاف اور واضح اعلان کرتا اور امیرِ اسلام کے اختیارات میں وسعت دے کر اس کی حفاظت کے لیے کس قدر عادلانہ دستور قائم کرتا ہے؟

ایک شبہ کا جواب جو دماغ اسلامی نظام کے حقائق سے ناآشنا اور موجودہ فاسد نظام ہی کو "کہ جس میں امارت و غربت کا قابلِ نفرت حد تک تفاوت نظر آتا ہے" اسلامی نظام سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ باتیں بلاشبہ حیرت زا ہیں اور ان میں سے بعض تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے جب خود ہی لاکھوں کروڑوں انسانوں کو محروم المعیشت پیدا کیا ہے اور غربت و امارت کا یہ فرق بھی "کہ ایک کروڑپتی ہے اور دوسرا نانِ جویں سے بھی محروم" اسی کا بنایا ہوا ہے تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ حقِ معیشت میں تمام افرادِ انسانی مساوی ہیں اور یہ کہ کوئی فرد اس کائنات میں محروم المعیشت نہ رہے۔

اور بعض اس گمراہی میں ہیں کہ جو کچھ کہا گیا ہے اسلامی نظام کو ہمہ گیر ثابت کرنے کے لیے ایک جدید کوشش ہے جو دنیا کے رجحانات اور وقت کے تقاضوں کے

---

[1] محلیٰ ج ۶، ص ۱۵۸ ، تمام آئمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے۔

سامنے سپر ڈالتے ہوئے احکامِ الٰہی کی ترمیم و تبدیل کی شکل میں پیش کی جا رہی ہے یا اشتراکیت و اشتمالیت سے مرعوب ہو کر قبائے مارکسزم کو اسلام کے جسم پر موزوں کیا جا رہا ہے لیکن افسوس اور صد ہزار افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں خیالات، وساوس اور اوہامِ فاسدہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اور درحقیقت یہ نتیجہ ہے اس عام بے خبری کا جو اسلامی تعلیم کے متعلق مسلم فضاء میں ابرِ محیط کی طرح چھائی ہوئی ہے اور یہ ثمرہ ہے اپنے حقائق سے یکسر ناآشنا رہتے ہوتے اس مرعوبیت کا جو مغربی تعلیم کی بدولت ہم پر طاری و ساری ہے۔

یہ دونوں خیالات، وسوسہ یا سفسطہ کیوں ہیں؟ اس سبب سے کہ ہم اس قسم کے مسائل پر بحث کرتے وقت اسلام کی اس بنیادی حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ عالمِ تکوین اور عالمِ تشریع میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانونِ الٰہی کو کائنات کی کامرانی کا واحد حل تجویز فرمایا ہے، ذی عقل کائناتِ عالم کو جس کے امتثال کی تکلیف دی ہے اور جس کی تعمیل کے لیے مکلف بنایا ہے اس کا تعلق تکوینیات سے ہے یا تشریعیات سے ہے؟ سو اگر ہم اس بنیادی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے تو بلاشبہ اس قسم کے وساوس اور اوہام کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خالقِ کائنات نے کائنات کے آغاز و انجام کا جو تکوینی نظام بنایا ہے اس کا تمام تر تعلق صرف اپنی ذاتِ احدیت ہی کے ساتھ رکھا ہے اور اس میں کسی دوسرے کے دخل کی مطلق گنجائش نہیں ہے، اور نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ نظامِ تکوینی میں کسی شے کے لیے کیا ہے اور کیا نہیں اور نہ اس علم کا ہم کو مکلف بنایا گیا ہے اور اس کا تعلق سرتاسر "عالمِ تکوین" سے ہے البتہ اس نے حضرتِ انسان (ثقلین) کو جب عقل و شعور اور ادراک و تمیز عطا فرمائے ہیں تو اس عطاء و بخشش کے بعد اس کو یونہی بیکار اور معطل نہیں چھوڑ دیا بلکہ اشیاء کے حسن و قبح اور اپنی مرضیات و نامرضیات کی معرفت

اور ہدایت وگمراہی اور حق و باطل میں امتیاز کے لیے نیز افراد کو اجتماعی سلک میں منسلک کرنے کے لیے ایک بہترین "نظام" عطا فرمایا اور اس میں اچھی اور بُری دونوں راہوں کو واضح کر دیا "وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" اس نظام کا نام "نظامِ تشریعی" ہے اور کائنات میں "پہلے انسان" کے ساتھ ساتھ یہ "نظام" عالمِ تشریع پر حاوی ہے اور انبیاء اور رسل کے ذریعہ برابر بنیامِ انسانی پر کارفرما رہا ہے اور اُس کی فلاح و بہبود کا ضامن وکفیل ہے پس یہی وہ نظام ہے جس کا انسان مکلف ہے اور اسی کے امتثال کے لیے وہ مامور ہے اور یہی وہ نظام ہے کہ جب حدِ کمال کو پہنچا تو "قرآن عزیز" کی شکل میں جلوہ افروز ہوا۔

پس اگر یہ بنیادی حقیقت ہمارے پیش رہے تو ہم بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے دائرہ سے یہ باہر ہے کہ ہم "نظامِ تکوینی" سے بحث کریں بلکہ ہم صرف "نظامِ تشریعی" (قانون تشریع) ہی کے دائرہ میں محدود رہ کر بحث کر سکتے ہیں تو اب قرآن عزیز سے نقل شدہ نصوص کو ملاحظہ فرمایئے اور غور کیجئے کہ کیا ان نصوص کی مراد یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحتِ عامہ اور حکمتِ بالغہ کی بناء پر کائناتِ انسانی میں امارت و غربت کے تفاوتِ درجات کو خلق کیا ہے اس لیے مردِ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس تفاوتِ درجات کو ترقی دینے کے لیے ایسا نظام قائم کرے کہ تمام ثروت و دولت امیروں کے ہاتھ میں آجائے اور کروڑوں فقیر اور محتاج بن کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جانِ آفریں کو جان سپرد کریں اور اس طرح "العیاذ باللہ" منشاءِ الٰہی کو پورا کریں؟

اور اگر ان آیاتِ قرآنی کا مطلب یہ نہیں ہے تو پھر اس کے سوائے دوسرا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ درجاتِ معیشت میں فطری حد تک تفاوت کے باوجود حقِ معیشت میں تمام کائناتِ انسانی مساوی اور برابر کی شریک ہے اور کسی صاحبِ ثروت کی دولت و ثروت غریبوں کی غربت میں اضافہ کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ

خدا کی وہ امانت ہے جو اجتماعی نظام کے زیرِ فرمان غربا و مساکین کی غربت و مسکنت کو فنا کرنے کے لیے استعمال ہونی چاہیئے گویا صاحبِ ثروت کی ثروت غربا کی غربت کے لیے رحمت ثابت ہو نہ کہ زحمت۔

اور اگر اربابِ ثروت ایسے عادل سسٹم کو منظور نہ کریں اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو پھر خدا کے نائب (خلیفہ) کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے "اجتماعی معاشی نظام" کے مطابق اربابِ ثروت کو قانوناً اس پر مجبور کرے اور اگر بیت المال کا مالیہ کافی نہ ہو اور اس سے بھی قلمرو خلافت میں محروم المعیشت انسان موجود رہ جائیں تو اہلِ دولت کے سرمایہ سے بہ جبر حاصل کر کے "حقِ معیشت کی مساوات" کو بروئے کار لائے خواہ وہ اہلِ دولت اپنے مال میں سے تمام "عائد شدہ مالی فرائض و حقوق" ادا کر چکے ہوں۔

الحاصل۔ قرآنی نصوص اور ان کی مؤید احادیثِ رسولؐ اور ان سے مستنبط فقہی احکام بہ واضح کرتے ہیں کہ "حقِ معیشت کی مساوات" کا یہ نظریہ منشاءِ الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ عین منشاءِ الٰہی کے مطابق ہے اور یہ جدید نظریہ نہیں ہے کہ مارکسزم کی حمایت یا اس سے مرعوبیت کی بناء پر احکامِ اسلامی کی انوکھی تعبیر کے ذریعہ وجود میں آیا ہو بلکہ اسلام کا وہ بنیادی اور اساسی "حکم" ہے جو اپنے وجود سے آج تک غیر متبدل اور غیر متزلزل رہا ہے۔ اور اگر ہم نے اس کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی یا دوسرے انسانوں کے اختراعی معاشی نظاموں سے مرعوب ہو کر ہم نے "اسلامی معاشی نظام" کو یکسر بھلا دیا تو اس میں اپنا قصور ہے نہ کہ اسلامی نظام کے بیان کرنے والے اور اس کی اصل حقیقت سے روشناس کرانے والے کا۔ اور یہ بھی سخت گمراہی ہے کہ ہم یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ غربت و امارت کا یہ غیر فطری تفاوت اور جابرانہ امتیاز جو آج ہم کو کائنات پر چھایا ہوا نظر آتا ہے خدا کا بنایا ہوا ہے بلکہ یہ "فاسد نظام ہائے معاشی" کے ثمرات و نتائج ہیں اور خدا کی مرضی یہ ہے کہ اس قسم کے تمام نظام ہائے فاسد کو یک قلم سوختنی ہو جانا چاہیئے۔

درجات معیشت (۲) اگرچہ حقِ معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لیے سامانِ معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لیے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوتِ درجات تو ہو لیکن نہ ایسا کہ "معیشت" انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے قرآن عزیز نے اس تفاوتِ درجات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (زخرف-۳)	"دنیوی زندگی میں ہم نے لوگوں کی معیشت ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے اور اس کو اس طرح کر دیا کہ بعض کو دوسرے بعض پر درجۂ معیشت میں بلندی حاصل ہے۔"
اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (رعد-۳)	"اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی ڈالتا ہے۔"
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ (انعام-۲۰)	اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیئے تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔"
وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ	"خدائے تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن

فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا — کسی کو زیادہ روزی دی ہے وہ اپنی روزی

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ — کو اپنے زیر دستوں پر لوٹا دیں کہ اس روزی

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ — میں سب برابر ہو جائیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ

(نحل ۔ ۱۰) — کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں[1]

گویا رزق میں تفاوتِ درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک جانب غنی کو صاحبِ ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ثروت کو "تنہا" اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ انفرادی ملکیت کے باوجود یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائے گا۔ اسی قدر اس کی دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہوں گے اس لیے کہ وہ صرف اپنے لیے ہی نہیں کماتا بلکہ جماعت کے دوسرے افراد کے لیے بھی کماتا ہے۔

نیز یہ ذہن نشین رہے کہ درجات کا یہ تفاوت جماعت کے دوسرے افراد کو محروم المعیشت بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی دستبرد کرنے کے لیے نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کی نعمت (عطاءِ ثروت) کا جاحد (منکر) ہے اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ) کیونکہ یہاں دولت و سرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی نہیں ہے بلکہ انفرادی حاجات و ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات و ضروریات کی تکمیل ہے۔

اور دوسری جانب غیر متمول سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ متمول افرادِ ملت کے تموّل کو دیکھ کر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکرگذاری نہ اختیار کرے اور نہ حسد و بغض کو دل میں جگہ دے بلکہ طمانیتِ قلب کے ساتھ اپنی مختصر فارغ البالی[2] اور خوشحالی پر شاکر رہے۔ اور یا پھر عملی

---

[1] روح المعانی، فتح القدیر، البحر المحیط تفسیر سورۂ نحل۔ [2] لفظ فارغ البالی اس لیے کہا گیا کہ اسلامی نظامِ حکومت میں کسی فرد کا محروم المعیشت رہنا ناجائز ہے۔

جدوجہد میں آگے بڑھ کر اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان تمام حقوقِ معیشت سے متمتع ہو اور غنا، و دولت حاصل کرے جن کو تمام مخلوقِ خدا کے لیے عام اور مساوی کر دیا گیا۔ اور دوسرے افرادِ ملت کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو اپنے حاصل کردہ مال پر اسی طرح عائد کرے جس طرح قانونِ اسلامی نے دوسرے اربابِ دولت پر عائد کیے ہیں۔

احتکار و اکتناز کی حرمت | ۳۔ دولت اور سرمایہ داری کے وہ اصول قطعاً ناقابل تسلیم ہیں جن میں احتکار اور اکتناز کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت و کنز پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جائے اور اس طرح عام انسانی زندگی کو مفلوک الحال بنا دے۔ "اکتناز و احتکا" کی حرمت اور انفاق کے وجوب کے لیے ذیل کی آیات قابلِ توجہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	"اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	کرتے سو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى	دے دو جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دھکائی
عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى	جائے گی پھر اس سے داغی جائیں گی ان کی
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ	پیشانیاں، پہلو، ان کی پیٹھ (اور کہا جائے گا)
وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ	یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ	رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔"
تَكْنِزُوْنَ (توبہ۔ ۵)	
كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ	"فقراء، مساکین، قرابت داروں اور یتیموں وغیرہ
الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ (حشر ۱)	پر اللہ نے جو خرچ کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے اس

لیے ہے" تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ۔۸)

"صدقات اور کسی کے لیے نہیں ہیں صرف فقیروں اور مسکینوں کےلیے اور ان کےلیے جو صدقات کے وصول کرنے پر مامور ہیں اور ان کےلیے جن کے دلوں میں کلمۂ حق کی اُلفت پیدا کرنی ہے اور ان کے لیے جن کی گردنیں (غلامی سے) آزاد کرانی ہیں اور قرضداروں کے لیے جو کہ قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے (یعنی مجاہدین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ میں مصروف رہنے والوں کےلیے) اور مسافروں کےلیے یہ اللہ کی جانب سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (بقرہ)

"اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔"

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ (انبیاء۔۵)

"اور ہم نے ان کی جانب (انبیاء علیہم السلام کی جانب) وحی کی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔"

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (منافقون۔۲)

"اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے ہی خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آموجود ہو۔"

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں
وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی	سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی
التَّھْلُکَۃِ ط (البقرۃ-۲۴)	انفاق فی سبیل اللہ سے رُکنا خود کو ہلاکت میں

ڈالنا ہے)

ان آیات میں اداءِ زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ان ہی احکام کی ترغیب و ترہیب، ان سے متعلق احکام اور تفصیلات پر مبنی ہے اور ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت "جمع و ذخیرہ" کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف و خرچ کے لیے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

اسی لیے ان آیات کی تفسیر میں "جمہور" کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کیے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور "کنز" سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت و ثروت کا نام "سرمایہ داری" ہے اور یہ حرام اور باطل اور تباہ کر دینے کے قابل ہے۔

اور اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجاتِ اصلیہ[1] اور مالی فرائض و واجبات کی ادا کے بعد بھی دولت باقی بچے تو اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ کیونکہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات میں صرف ہونا چاہیئے۔

جمہور کے خلاف حضرت ابوذر غفاری[2] اور بعض علماء اسلام اس کو بھی جمع کرکے

---

[1] مصارف کے موقعہ پر ہم نے جگہ جگہ لفظِ حاجات کے ساتھ "اصلیہ" کا اضافہ کیا ہے یہ اس لیے کہ وہ تمام اخراجات و مصارف نظامِ اسلامی میں غیر معتبر اور باطل ہیں جو اس کی نگاہ میں ممنوع یا حرام ہیں

[2] کان من مذھب ابی ذر رضی اللہ عنہ تحریم ادخار ما زاد علی نفقۃ العیال وکان یفتی بذلک ویحثھم علیہ ویامرھم بہ (تفسیر ابن کثیر سورۃ توبہ) ترجمہ حضرت ابوذر غفاری کا مذہب یہ تھا کہ اہل عیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع رکھنا قطعاً حرام ہے وہ اسی کا فتویٰ دیتے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے

رکھنا حرام بتاتے ہیں۔

اور ان آیاتِ زکوٰۃ وصدقات اور منع اکتناز واحتکار کے علاوہ آیاتِ میراث اور قانونِ وراثت بھی اسی حکمت پر مبنی ہے کہ دولت وثروت "جمع وذخیرہ" کے لیے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور پھیلنے کے لیے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہوسکے۔

فاسد نظامِ معیشت کا انسداد اور سرمایہ ومحنت میں عادلانہ توازن (۴) خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں ہے جس سے فاسد نظامِ معیشت بروئے کار آئے یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے یا محنت اور معیشت کے لیے جائز جد وجہد بے حقیقت ہوکر رہ جائے۔ اور اس طرح محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدال اور توازن باقی نہ رہے اسی لیے اس نے ربوٰا (سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار قمار (جوا) کی تمام ظاہری وخفی اقسام واصناف، احتکار واکتناز کی تمام اشکال اور اسی طرح کے عقود فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز اور مردود قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبہ میں بھی "فاسد معاشیات" کو دخیل اور بروئے کار نہیں آنے دیا۔ اور دوسرے شعبوں کی طرح معاملات کے اس شعبہ میں بھی عدل وانصاف ہی کو اساس وبنیاد قرار دیا ہے چنانچہ حسب ذیل تصریحات اس کی شاہد ہیں۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ - ۳۸)	"اللہ نے خرید وفروخت کے معاملات کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کر دیا ہے"۔
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (بقرہ - ۳۸)	"اللہ تعالیٰ سودی کاروبار کو مٹاتا اور صدقات وخیرات کو ترقی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکر گزار گنہگار کو دوست نہیں رکھتا"۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ "بیشک، شراب، جوا، بت اور پانسے
وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ناپاک ہیں۔ کارِ شیطان ہیں پس ان سے
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (مائدہ-۱۲) بچو۔"

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا "خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لیے، ان
اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ لوگوں کے لیے کہ جب ناپ کریں لوگوں سے تو
وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ پورا پورا بھریں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر
يُخْسِرُوْنَ (مطففین ۱-۳) دیں تو گھٹا کر دیں۔"

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (شعراء) "اور تول کرو برابر وزن کے ساتھ۔"

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ مال باطل (ناجائز طریقہ) سے نہ کھاؤ، ہاں
إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو تو اس
تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء-۵) طرح کھا سکتے ہو (گویا ہر شخص اپنے حصّہ کے
مطابق اپنا حق لے۔")

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں اسی اساسی اصول کی روشنی میں "باب ابتغاء الرزق" کے عنوان سے حسب ذیل نہایت پُرشوکت اور مدلّل مضمون تحریر فرماتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی معاشی حیات کے لیے سب کچھ سامان فراہم کر دیا اور ان سب کو سب کے لیے مباح اور عام کر دیا، تو ان سے متمتع ہونے میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت اور مناقشت شروع ہو گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سبقت اور پہل کر کے کسی شے کو اپنے قبضہ میں کر لے یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس

کی وراثت میں آجاتے یا ان کے علاوہ ایسے دوسرے طریقوں سے اس کا قبضہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز طریقے قرار پا چکے ہیں تو ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کو اس کی مقبوضہ شے میں مزاحمت کا حق نہیں ہے البتہ دوسرے کی مقبوضہ شے کو حاصل کرنے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ یا خرید فروخت اور لین دین کے ذریعہ تبادلہ کی شکل پیدا کرے یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی کا معاملہ اس طرح انجام پا جائے کہ ہر دو جانب میں اس کے متعلق صحیح علم ہو اور اس معاملہ میں نہ التباس اور دھوکے کا دخل ہو اور نہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ نیز جب کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون و اشتراک کے بغیر ناممکن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراک عمل کو واجب کر دیا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونے کا حق حاصل نہیں ہے جو تمدن میں دخیل ہیں مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیں

نیز اسبابِ معیشت کے "اسباب" بننے میں اصل الاصول یہ ہے کہ اموالِ مباح میں سے کسی شئے کو اپنے قبضہ میں لیا جائے یا اُن اموال مباح کے وسیلہ سے جو کہ مالی ترقی کا ذریعہ بنا کرتے ہیں اپنے مقبوضہ اور مخصوص مال کو ترقی دی جائے مثلاً چرائی کے ذریعہ سے چوپایوں کی افزائشِ نسل یا زمین کی درستی اور پانی کی سیرابی کے ذریعہ سے زراعت و کاشتکاری۔

لیکن مالِ مباح کو اپنے لیے خاص کرنے یا دوسرے مباح اموال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں شرط اولین یہ ہے کہ تصرفات اس طرح عمل میں نہ آنے پائیں کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لیے معاشی ذرائع کی تنگی اور ضیق کا باعث بن جائے اور اس طرح تمدن کو فاسد اور برباد کر دے۔ (یعنی جب کہ

حلال وسائل معاش سب کے لیے یکساں طور پر مباح اصل ہیں تو اب کسی شخص
کو اپنے شخصی معاش کے لیے اسی قدر اس میں تصرف اور دعویٰ ملکیت جائز
ہے کہ اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی زندگی کی پریشانی کا باعث نہ بن جائے،
اور اس کی دولت مندی دوسروں کے افلاس اور فقر و فاقہ کا سبب ثابت ہو
پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر "معاشی معاملات" میں
لوگوں کے درمیان باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل کے ذریعہ مالی ترقی و نمو بروئے
کار نہ آئے تو تمدن کا صالح اور صحیح رہنا دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا مثلاً
ایک چاہتا ہے کہ وہ تجارتی مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جائے
اور ایک معین مدت کے لیے وہ اس ایاب و ذہاب کی گارنٹی چاہتا ہے۔
(یعنی تجارت کو ذریعہ معاش بناتا ہے) یا مثلاً ایک دوسرا شخص اپنی عملی
جدوجہد کے ذریعہ دوسروں کے مال کی دلالی کرتا ہے (یعنی محنت کو ذریعہ
معاش بناتا ہے) یا ایک تیسرا شخص اپنی نئی نئی پسندیدہ ایجادات کے ذریعہ دوسروں
کے مال کو بیش قیمت اور بہتر بناتا ہے (یعنی صنعت و حرفت کو وسیلۂ
معاش بناتا ہے) اور اس طرح دوسرے جائز طریقے اختیار کرتا ہے۔ تو ان
سب صورتوں میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہوسکتی۔
بہرحال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون و اشتراکِ عمل ضروری اور واجب ہے
اور اگر یہ مالی ترقی ایسے طریقہ سے کی جائے کہ اس میں سرے سے تعاون کا
کوئی دخل ہی نہ ہو جیسا کہ قمار (جوا) کا کاروبار۔ یا ایسے طریقے سے عمل میں
آئے کہ بظاہر تو تعاون نظر آتا ہو لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون
ہو حقیقی تعاون نہ ہو جیسا کہ مثلاً ربوٰ (سود) کا کاروبار اس لیے کہ یہ بات
بہت صاف ہے کہ ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے

اپنے ذمہ ایسی ذمہ داریوں کو لے لینے کے لیے مجبور و مضطر ہو جاتا ہے جن کو پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضا مندی ہرگز رضا مندی نہیں کہلائی جا سکتی پس اس طرح کے کاروبار نہ پسندیدہ اور جائز معاملات کہلاتے جا سکتے ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسبابِ صالحہ کہا جا سکتا ہے اور بلاشبہ اس قسم کے تمام معاملات حکمتِ تمدن کی نگاہ میں باطل اور ظلم ہیں[1]۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے صرف اس آخری اصول ہی پر روشنی نہیں پڑتی بلکہ اصولِ چہارگانہ کی ایک جامع اور مبسوط تفصیل سامنے آجاتی ہے یعنی

- معیشت میں فطری تفاوتِ درجات کے باوجود تمام مخلوق یکساں اور برابر ہے[2] اور خدا نے تمام معاشی وسائل میں زمین اور پیداوار زمین کو سب کے لیے مباح الاصل پیدا کیا ہے اور تعیین و تشخیص جائز قبضہ سے ہی وجود میں آتی ہے
- کسی فرد کو ان اموالِ مباح میں اسی قدر اور اسی طریق سے قبضہ و تصرف جائز ہے کہ اس سے دوسرے فرد کے لیے معاشی ضیق کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔
- نیز معاشی معاملات میں "باہمی تعاون و اشتراکِ عمل" واجب اور ضروری ہے۔
- اور یہ تعاون ایسے صحیح اور صالح طریقوں پر مبنی ہونا چاہیے کہ اس سے نظامِ تمدن میں ابتری نہ پھیل جائے۔ یعنی ان کے ذریعہ معاشی معاملات میں ایک دوسرے کو مدد ملے نہ یہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کی مضرت پر موقوف ہو کر رہ جائے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲، ص ۲۰۲ [2] یعنی حقِ معیشت میں برابر ہے۔

○ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ کائنات میں ایک "صالح معاشی نظام" موجود ہو جو خدائے تعالیٰ کے حکم اور منشاء کو پورا کرتا ہو۔

○ پس اس "صالح معاشی نظام" میں وہ تمام معاملات ناجائز اور حرام ہیں جن میں باہمی تعاون کا مطلق دخل نہ ہو بلکہ ایک فرد کی تباہی اور مضرت پر دوسرے فرد کی مالی منفعت کا مدار ہو جیسا کہ مثلاً قمار (جوا) خواہ وہ غیر مہذب طریقوں سے عمل میں آئے یا سٹہ اور لاٹری وغیرہ جدید مہذب طریقہ ہائے تجارت کے ذریعہ سے۔

○ اور وہ معاملات بھی ناجائز اور حرام ہیں جن میں بہ ظاہر اگرچہ باہمی رضا اور تعاون نظر آتا ہو لیکن اس کی تہہ میں زبردستی کے سوا اور کچھ نہ ہو جیسا کہ مثلاً ربوا (سودی لین دین) اور ایسے تمام اجارات و معاملات جن میں ایک جانب سرمایہ دار کا سرمایہ ہے اور دوسری جانب ایک مفلس و نادار کی اضطراری ضرورت، اور سرمایہ دار مفلس کے افلاس اور اس کی اضطراری حاجت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اجارہ، رہن اور دوسرے معاملات لین دین میں اس سے ایسی شرائط منظور کرا لیتا ہے جو انصاف اور عدل کی نگاہ میں کسی طرح جائز نہیں مگر مفلس کے افلاس اور ضرورت مند کی ضرورت نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

○ پس اس قسم کے تمام معاملات اگرچہ باہمی رضامندی سے بھی طے پا جائیں تب بھی اسلام اور خدائے کائنات کے نزدیک باطل اور ظلم ہیں اور "صالح معاشی نظام" میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں خواہ ان کے ظاہری فائدے کتنے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں اس لیے کہ اس قسم کے کاروبار کا آخری نتیجہ عوام کی فلاکت و افلاس اور ایک مخصوص طبقہ کی مالی اجارہ داری کے سوائے اور

کچھ نہیں ہے۔ اس لیے یہاں مہاجنی سود کا کاروبار بھی ملعون ہے اور سودی بینکوں کا سسٹم بھی مذموم ومطرود، اور یہاں مستاجروں کے وہ تمام طریقہ ہائے تجارت بھی حرام ہیں جن میں اجیر کے جائز اور عادلانہ اجرت وحقوق کی حق تلفی ہو اور اس کے اضطرار اور پریشان حالی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو اور اجیر کی وہ خیانت بھی ناجائز جس سے صاحبِ سرمایہ کو ناحق نقصان پہنچانے کی سعی کی جاتی ہو۔

بہرحال "معاشی نظام سے متعلق" ان آیات میں قرآنِ عزیز نے جن نصوص قطعیہ کو بیان کیا ہے اور معجزانہ بلاغت اور حکیمانہ اسلوب کے ساتھ راہنمائی فرمائی ہے۔" اسلام کا معاشی نظام" ان ہی نوامیس الٰہی کی شرح وتفسیر ہے یہی درحقیقت" صالح معاشی نظام" کے لیے بہترین دلیل راہ ہیں اور اس کے وجود کے ضامن اور کفیل۔

اب ان تفصیلات سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ "معاشی نظام" کا جو اساسی مقصد ہے اس کو کامیاب بنانے کے لیے" اسلام کے اقتصادی نظام" کے علاوہ دوسری کوئی راہ نہیں ہے یہاں مارکسزم (اشتمالیت) کی طرح مذہبی انکار کی بھی نہیں ہے اور طبقاتی جنگ بھی موجود نہیں بلکہ ایک عالمگیر اخوت وہمدردی کا غیر فانی اعلان ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دولت ووسائل دولت کو سمیٹ کر مخصوص طبقہ کے حوالہ کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ باطل اور ظلم کی بنیادیں کسی حالت میں بھی قدم نہ جما سکیں اور دنیا انسانی کے کسی ایک فرد کو بھی اپنی معاشی حیات میں انسانوں کے ہاتھوں ضیق اور تنگی پیدا نہ ہو۔

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی مطبوعات

- اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل — (جناب محمد مقبول عالم مرحوم)
- جدوجہد اور نوجوان — (شیخ الہند مولانا محمود حسن)
- فرد اور اجتماعیت — (مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)
- عبادت و خلافت — (مولانا قاری محمد طیب قاسمی)
- مولانا محمد الیاس [illegible] — (مفتی سید [illegible] حسان)
- غلبہ دین اور [illegible] — ([illegible] فضل حق مرحوم)
- [illegible] — ([illegible] فضل حق مرحوم)
- صحیح فکر و عمل — ([illegible] فضل حق مرحوم)
- ارکان اسلام — ([illegible] فضل حق مرحوم)
- اخلاق و معاشیات کا باہمی رابطہ — (مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)
- لرزہ خیز انتقام کی داستان — (مولانا محمد میاں)
- وقت کی قدر و قیمت — (مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)
- اجتماعی زوال [illegible] — (مولانا محمد تقی امینی)
- ولی اللہی نظام فکر — (مولانا عبدالخالق آزاد)
- تاریخ اسلام — (مولانا عبیداللہ سندھی)
- انسان اور نفسیاتی عوامل — (مولانا محمد تقی امینی)
- جدوجہد آزادی کا منشور [illegible] — (حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی)